رمضان المبارک عرفان الٰہی کے حصول کا مہینہ ہے

ان ایام میں اپنے بیوی بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/ مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

مواصلات کا نظام چونکہ دن بدن بہتر ہو رہا ہے اور بین الاقوامی تعلقات مواصلاتی ذرائع سے مضبوط تر ہوتے چلے جارہے ہیں اس لئے جماعتوں میں بھی خطبہ براہ راست سننے کا رجحان بڑھتا چلا جارہا ہے خصوصیت کے ساتھ ایسے مواقع جن میں جماعت کا خیال ہے کہ خاص مضامین پر مشتمل خطبے ہوں گے ان میں جماعتیں یہ پسند کرتی ہیں کہ کیسٹ کا انتظار کئے بغیر براہ راست خطبے سنیں۔ آج کے خطبے میں بھی حسب سابق ماریشس جو اس رجحان میں اولیت رکھتا ہے شامل ہے۔ ناروے، سویڈن، ڈنمارک جرمنی اور جاپان بھی شامل ہیں اور اسی طرح انگلستان میں برمنگھم، ہنسلو، ساؤتھ ہال، مانچسٹر، ایسٹ لندن، گلاسکو اور جلنگھم کی جماعتیں شامل ہیں۔ ان سب کو میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ اس قسم کے رجحان نیکی کی باتوں تک جلد پہنچنے کی حد تک تو درست اور قابل تعریف ہیں لیکن اس قسم کے خطبوں کو جو مواصلاتی ذرائع سے سنے جاتے ہیں براہ راست خطبوں یا جمعوں کا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا اس لئے اگر آپ کہیں جمعہ کے وقت میں شریک بھی ہیں تو جمعہ کی کارروائی الگ ہونی چاہئے۔ اس کارروائی کو جمعہ کا حصہ نہ بنایا جائے ورنہ اس سے اسلام میں بدعات پیدا ہوں گی اور بدرسوم داخل ہوجائیں گی۔ پس اس نصیحت کے ساتھ اب میں

اپنے اس مضمون کی طرف واپس لوٹتا ہوں جو کچھ عرصے سے عبادات کے سلسلے میں شروع کر رکھا ہے۔

گزشتہ خطبے میں میں نے یہ متوجہ کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حمد کے وقت اپنی ذات سے حمد کی نفی ضروری ہے ورنہ حقیقت میں خدا کی حمد کا اثبات نہیں ہوسکتا۔اس مضمون کا تعلق دراصل **لاالٰــــہ الا اللــہ** سے ہے **الــہ** میں جس اللہ کی نفی ہے اور **الا اللــہ** میں جس وجود کا بطور معبود اثبات ہے اس کے دونوں تقاضے ہیں کہ پہلے غیر اللہ سے ہر قسم کی تعریف اور ذاتی تعلق کی نفی ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا وجود ابھرتا ہے اور اگر کسی کپڑے پر ذاتی محبتوں کے رنگ بھی چڑھے ہوں اور خدا کے مقابل پر وہ رنگ قائم رہیں تو پھر خدا کا رنگ اس کپڑے پر نہیں چڑھتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان اپنی تعریف سے بالکل مستغنی ہو جائے کیونکہ اپنی تعریف چاہنا انسانی فطرت کا حصہ ہے بلکہ اسے شعلہ حیات کہنا چاہئے کیونکہ دنیا میں انسان جو بھی کام کرتا ہے اس میں بڑے محرکوں میں سے ایک اپنی تعریف چاہنا اور ایک اپنے متعلق بدگوئی سے بچنا ہیں اور یہ زندگی کے بہت ہی بڑے محرکات ہیں جیسے موٹروں میں پڑول چلتا ہے اسی طرح یہ دو طاقتیں ہیں جو انسانی زندگی کے عمل کو آگے بڑھاتی ہیں اس لئے یہ خیال نہ کیا جائے کہ اپنی تعریف چاہنا یا کسی دوسرے دوست کی تعریف کرنا جو اپنے محدود دائرے میں تعریف کا مستحق ہو، یہ شرک ہے۔ یہ ہرگز شرک نہیں لیکن شرک وہ بات ہے کہ انسان اپنی یا اپنے دوستوں یا عزیزوں کی تعریف پر جا کر ٹھہر جائے اور پردے پر راضی ہو جائے، نقاب پر راضی ہو جائے اور اس کی نگاہیں نقاب سے پار سرایت کر کے پیچھے اصل حسن کی تلاش نہ کریں۔اگر یہ کیفیت ہو تو یہ بھی ابھی شرک نہیں بنے گی لیکن غفلت ہوگی اور دنیا میں اکثر لوگ غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے عظیم علم کلام میں ایسے دنیا داروں کو غافل کے طور پر بیان فرمایا ہے اور بڑی باریکی سے ان کی غفلتوں کا تجزیہ فرمایا ہے۔

پس غفلت یہ ہے کہ انسان اپنی تعریف کو اپنا کر اس پر اس طرح راضی ہو جائے گویا واقعی وہ اس کا مستحق تھا اور اس سے پرے کوئی اور قابل تعریف ذات نہیں رہی اور وہیں تعریف کا گویا رستہ بند کر کے اسے اپنے برتن میں ہی سمٹنے لگ جائے۔ یہ چیز غفلت کی کیفیت ہے جو بالآخر شرک پر منتج ہو جاتی ہے اور کئی قسم کی اور بھی برائیاں پیدا کرتی ہے۔پس جب خدا کی ذات کے تعلق میں اپنی ذات کا سوچا جائے اور اپنی تعریف ہوتے دیکھ کر خدا کی طرف دھیان نہ جائے تو یہ خطرناک بات ہے جس

سے جماعت کو بچنا چاہئے۔ خصوصاً عبادت کے وقت یہ ایک بہت اچھی ذہنی اور روحانی ورزش ہے کہ انسان جب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کا عاشقانہ نعرہ بلند کرتا ہے تو تلاش کر کر کے اپنی حمد سے اپنے وجود کو خالی کرے اور یہ کوئی مصنوعی کوشش نہیں ہے۔ یہ حقیقی کوشش ہے کیونکہ جب آپ زیادہ گہری نظر سے ہر تعریف کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے پہلے بھی جیسا کہ میں تفصیل سے اس بات پر روشنی ڈال چکا ہوں، انسان کو ہر تعریف خواہ وہ غیر کی کرتا ہو یا اپنی ہو سطحی دکھائی دینے لگتی ہے اور اس تعریف کے پیچھے عوامل کا بے انتہاء لمبا دور ہے جو بالآخر اس تعریف پر منتج ہوئے جن کے نتیجے میں وہ تعریف پیدا ہوئی جس پر انسان کا کوئی بھی بس نہیں۔ کوئی بھی اختیار نہیں اور وہ خالصۃً اللہ کے فضل سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔

حسن خواہ جسمانی ہو یا روحانی یا اخلاقی ہو۔ بدصورتی خواہ ذاتی جسمانی ہو یا اخلاقی یا روحانی ہو۔ ہر چیز کے پیچھے عوامل کارفرما ہیں اور ان عوامل میں جہاں تک تعریف کا تعلق ہے محض اللہ کا فضل ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں ہم قابل تعریف بنتے ہیں یا ہمارا کوئی دوست یا کوئی منظر قابل تعریف دکھائی دیتا ہے۔ اس پہلو سے اس مضمون پر غور ہونا چاہئے اور اس ضمن میں ایک مزید بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس حمد کا تعلق جب ہم خدا کے پیاروں سے جوڑتے ہیں اور اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کے مضمون سے باندھتے ہیں تو اس وقت ایک اور رستہ ہمارے سامنے کھلتا ہے اور ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اصل تعریف وہی ہے جو خدا کی طرف سے لوٹ کر آتی ہے۔ اس مضمون پر بھی میں نے کسی حد تک روشنی ڈالی تھی لیکن اب اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کے مضمون سے اس تعلق کو جوڑ کر کچھ مزید روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

خدا تعالیٰ کی حمد سے بیان کے بعد باقی آیات سے گزرتے ہوئے جب ہم یہاں پہنچتے ہیں کہ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۬ۙ کہ اے خدا! ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا تو انعام جن لوگوں پر فرمایا گیا ہے ان کے ذکر کی تفصیل کا ہمیں علم ہونا چاہئے۔ وہ کیا کیا باتیں کیا کرتے تھے۔ کون کون سی نعمتیں اور کون کون سے فضل اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائے تھے جن کے نتیجے میں ان میں ایک ایسا حسن پیدا ہوا کہ جو خدا کا پسند آنے لگا اور خدا کی آنکھ سے وہ لوگ محمود ہو گئے اور قابل تعریف کہلائے۔ اس پہلو

سے آپ کو گہری نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنا ہوگا اور خدا کے پیاروں، انعام یافتہ لوگوں کا جہاں جہاں ذکر ملتا ہے خواہ وہ نبی ہوں یا اس سے ادنیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگ ہوں ان کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا کہ کن کن آزمائشوں سے وہ گزرے اور کن کن ٹھوکروں سے بچے۔ کون سے ایسے دوراہوں پر وہ کھڑے ہوئے جہاں ایک طرف اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا راستہ تھا اور دوسری طرف مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کا راستہ تھا۔ ایک قدم کی لغزش ان کو یا اس راہ پر چلا سکتی تھی جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کی راہ ہے اور ایک ہی قدم کی لغزش ان کو اس راہ پر بھی ڈال سکتی تھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے غضب کی راہ اور ناراضگی کی راہ ہے وہاں انہوں نے کچھ فیصلے کئے اور ان فیصلوں کے نتیجے میں ان پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوئیں بعض دفعہ بڑی تلخی کی زندگیاں انہوں نے گزاریں۔ پس ان مواقع پر ان راہوں پر جہاں خدا کی خاطر تلخی برداشت کرنی پڑی وہ تمام تلخیاں نعمتیں ہیں۔ اسی کو آزمائش کہا جاتا ہے اور اگر وہ نعوذ باللہ من ذالک غلط راہ پر قدم اٹھاتے تو مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ میں داخل ہوتے لیکن بظاہر وہ راہ آسان دکھائی دیتی اور نعمتوں والی راہ دکھائی دیتی لیکن اس راہ کی سب نعمتیں قرآنی بیان کے مطابق خدا کے غضب کا مظہر ہیں اور ان کی ضلالت اور گمراہی کا مظہر ہیں تو اس مضمون پر غور کرنے سے نعمتوں اور فضلوں کا نیا مفہوم ذہن میں ابھرتا ہے اور انسان خدا کے ان بندوں پر جو آزمائش کے دور سے گزارے جاتے ہیں، رحم نہیں کرتا بلکہ ان پر رشک کرنے لگتا ہے۔ یہ عرفان کا وہ مقام ہے جس کے بغیر مومن صحیح معنوں میں ترقی نہیں کرسکتا۔

اب پاکستان میں ہمارے مظلوم احمدی ہیں جن پر کئی قسم کے مظالم توڑے جارہے ہیں ان کیلئے ہمدردی پیدا ہونا غلط نہیں یہ ایک طبعی اور فطری بات ہے لیکن ان کو اپنے سے ادنیٰ سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ وہ بے چارے تو مارے گئے۔ یہ جہالت ہے اور یہ عرفان کی کمی ہے ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ ہم سب خدا کے حضور پیش ہوں گے، اس وقت آج جو نسبتاً آسانی میں زندگی بسر کررہے ہیں اور خدا کی راہ میں آزمائشوں میں نہیں ڈالے گئے وہ ایک اور زاویے سے ان حالات کا جائزہ لیں گے اور وہ حسرت سے یہ کہیں گے کاش ہم ان کی جگہ ہوتے کیونکہ وہ نہیں مارے گئے جو ان مشکل کی راہوں پر خدا کے فضل نے انہیں ثبات قدم عطا فرمایا۔

پس یہ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی ایک سیر ہے جس کو حمد کے مضمون کے ساتھ جب آپ

جوڑ کر اس دنیا کی سیر کرتے ہیں تو عجیب عجیب حسین نظارے دکھائی دیتے ہیں اور ایسے عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں کہ وہ ایک زاویے سے مکروہ دکھائی دیتے ہیں، دوسرے زاویے سے حسین دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اگر آپ کو وہ مکروہ دکھائی دیتے ہیں یعنی وہ واقعات جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ پر گزر رہے ہیں، وہ واردات جو وہاں ہو رہی ہے اگر وہ باتیں آپ کو مکروہ دکھائی دیتی ہیں تو پھر آپ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ پر چلنے کے لائق نہیں۔ یہ سبق ہے جو آپ کو اس جائزے سے ملتا ہے آپ کو لازماً اپنے زاویہ نظر کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ اس حد تک اپنے نفس کی اصلاح کرنی پڑے گی کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے غلاموں پر جو مصیبتیں ٹوٹیں ان کے ذکر کے ساتھ آپ کا دل خون بھی ہو رہا ہو تو ان پر رشک کر رہا ہو اور دل یقین کرتا ہو کہ یہ تکلیفیں تو خدا کے محبوب بندوں کی تکلیفیں ہیں اور یہ وہ ایسی تکلیفیں ہیں جو ہزار زندگیاں دے کر بھی میسر آجائیں تو غلط سودا نہ ہوگا۔ یہ بظاہر تضاد کی بات ہے لیکن حقیقت میں یہی عرفان ہے جو سچا عرفان ہے۔

پس جب آپ اس پہلو سے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا ایک نیا تصور دل میں باندھیں گے تو خدا کی راہ میں مشکل کی زندگی بسر کرنا مشکل دکھائی نہیں دے گا۔ مشکل ہوگا بھی تو اللہ کا فضل اس کو آسان کرتا چلا جائے گا کیونکہ وہ چیز مکروہ دکھائی دیتے ہوئے بھی آپ کو اپنے پس منظر میں حسین دکھائی دے گی۔ آپ یہ سمجھیں گے کہ کراہت کا ایک ظاہری پردہ ہے جو سامنے ہے، یہ دھوکا ہے اس کے پیچھے جنت ہے اور اس جنت کی خاطر اس تکلیف کے پردے سے آپ اپنے لئے گزرنا گوارا کر لیں گے پس حمد کا مضمون جب سورۂ فاتحہ کے باقی مضامین سے باندھ کر مطالعہ کیا جاتا ہے تو نئے نئے مطالب انسان کے سامنے ابھرتے رہتے ہیں او کھلتے رہتے ہیں اور نئی نئی راہیں عرفان کے سفر کی انسان کے سامنے دراز ہوتی رہتی ہیں جن پر قدم مارنے کی توفیق محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوتی ہے۔

اس ضمن میں میں جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ رمضان مبارک ہے اور خاص طور پر دعاؤں کے دن اور دعاؤں کی راتیں ہیں اس لئے جن لوگوں پر خدا نے انعام فرمائے ان کی زبان میں دعائیں یاد کریں اور قرآن کریم نے وہ دعائیں سب تو نہیں مگر ان میں سے اہم ترین دعائیں ہمارے لئے محفوظ فرما دی ہیں۔ پس مختلف انبیاء کی جو دعائیں آپ کو قرآن کریم میں ملتی ہیں ان کے علاوہ احادیث نبویہ میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی وہ دعائیں بھی ملتی ہیں۔ جو قرآن میں گزشتہ

انبیاء سے تعلق میں نظر نہیں آتیں مگر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے گزشتہ انبیاء کی دعاؤں کی فہرست میں عظیم الشان اضافے فرمائے ہیں۔ بعض دفعہ دوسروں کو نصیحت کی شکل میں اور بعض دفعہ خود دعائیں کرتے ہوئے ایسی دعائیں کیں جو قرآن کریم میں موجود نہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیں اور آپ کے صحابہ نے انہیں ہمارے لئے محفوظ کر لیا اور اس طرح ہمارے لئے ایک عظیم خزانہ پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اردو زبان میں ایسی دعائیں کی ہیں جو مختلف شکلوں اور مصیبتوں کے وقت دعا کرنے والے دل کو اتنا گداز کر دیتی ہیں کہ اس گداز دل کی کیفیت کے ساتھ انسان یہ یقین ہی نہیں کر سکتا کہ یہ دعا مقبول نہیں ہوگی۔ دعا کی قبولیت کے لئے دل کی زمین کا نرم ہونا ضروری ہے اور اسی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے زمیندار بونے سے پہلے زمین کو ہل چلاتا اور اس پر گوڈی کرتا اور اس پر اور محنتیں کرتا، کبھی سوہاگے پھیرتا اور پھر ہل چلاتا۔ یہاں تک کہ اس کو ایسا نرم اور مزیدار بنا دیتا ہے کہ جانوروں کا دل چاہتا ہے کہ وہ زمین پر لیٹیں اور لوٹیں اور بچوں کا بھی دل چاہتا ہے کہ اس پر خوب دوڑیں اور کھیلیں خواہ ان کے جسم مٹی سے بھر جائیں مگر اس زمین پر دوڑنے کا ایک عجیب اور الگ لطف ہوتا ہے وہ زمین ہے جو بتا رہی ہوتی ہے کہ یہاں بیج ڈالو تو بیج اُگے گا۔ میری چھاتی تمہارے بیجوں کے لئے نرم ہو چکی ہے اور وہاں وہ بیج ضرور اُگتا ہے۔

پس دعا کا بیج بھی اپنے اُگنے کے لئے دل کی ایسی ہی زمین چاہتا ہے جسے نرم اور گداز کر دیا گیا ہو جو ایسی کیفیت میں ہو کہ اگر کوئی دوسرا اس دل کو دیکھے تو اس پر پیار آئے اور اس دل پر لوٹنے کو دل چاہے ایسی کیفیت میں جو دعائیں دل سے اٹھتی ہیں وہ ضرور مقبول ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایسے دل سے اٹھنے والی دعا اٹھتے وقت انسان کو یہ خبر دے جاتی ہے کہ میں عرش الٰہی پر پہنچنے سے پہلے نہیں رکوں گی اور لازماً بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں گی۔ وہ ایک عجیب کیفیت ہے جو صاحب تجربہ کو معلوم ہوتی ہے جس کی کیفیت کو دوسرے تک جسے تجربہ نہ ہو بیان کے ذریعہ پہنچایا نہیں جا سکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ اکثر احمدی کسی نہ کسی وقت ضرور ان تجارب سے گزرتے ہیں۔ پس انبیاء کے الفاظ میں دعا کرنا دل کے اندر وہ نرمی اور گداز کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ جس میں پھر دعا کا بیج بویا جاتا ہے اور ایک شجرۂ طیبہ بن کر اُگتا ہے۔ جس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں اور ان شاخوں کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ ضرور پھل لگتا ہے اور ہر موسم میں پھل لگتا ہے۔ یہ دعا کا شجر ایسا ہے جو کلمہ طیبہ کی

صورت میں دل میں پیوست ہو اور پھر آسمان تک اس کی شاخیں بلند ہوں تو اسے کسی بہار کی انتظار نہیں ہوتی وہ خود اپنی ذات میں بہار کا منظر پیش کرنے والا ایک دائم ایک سدا بہار ایسا درخت بن جاتا ہے جسے پھل لگتے ہی رہتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے ایسے درخت کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہی فرمایا کہ كُلَّ حِيْنٍ ہر حالت، ہر موقعہ پر، ہر کیفیت میں اس کو خدا تعالیٰ کے فضل سے پھل عطا ہوتے رہتے ہیں اور وہ کبھی بھی پھلوں سے محروم نہیں رہتا۔

پس یہ انبیاء کی وہ دعائیں ہیں جو ایسے دلوں سے نکلی تھیں جو دل دعاؤں کو قبول کرنے کے لئے انتہائی درجے پر تیار ہو چکے تھے اور جس کیفیت میں دعائیں دل سے اٹھی تھیں ان کیفیتوں کا ایک اثر پیچھے چھوڑ گئی ہیں اور وہ الفاظ ایسے ہیں جو زمانے کے ساتھ کبھی مر نہیں سکتے۔ وہ کیفیتیں ایسی ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو چکی ہیں۔ پس اگر آپ غور کر کے انبیاء کے الفاظ میں دعائیں کریں تو آپ کی دعاؤں کو بہت بڑی عظمت ملے گی اور پھر آپ کو پتا چلے گا کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کون لوگ ہیں؟ کیوں ان لوگوں پر انعام کیا گیا؟ اور یہ تعریف کا کلمہ ہے ان کے حق میں خدا نے کیوں فرمایا؟ کیسے کیسے یہ لوگ تھے؟ تو اگر چہ آپ خدا کے حضور اپنے وجود کو کلیۃً خالی کر چکے ہوں گے لیکن ایک اور حمد آپ کو عطا ہوگی جو آسمان سے عطا ہوگی اور ان آسمانی وجودوں کی معرفت آپ کو عطا ہوگی۔

اس ضمن میں ایک اور غلط فہمی بھی دور ہونی چاہئے۔ میں نے گزشتہ خطبے میں یہ کہا تھا کہ دعا کرتے وقت اپنی کسی تعریف کے حوالے سے دعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے آپ کو خالی کر کے ایسے فقیر بنا کے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، جس کو دیکھ کر سخت دل کو بھی رحم آجائے ایسی کیفیت کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ بعض لوگوں کو ایک حدیث کے نتیجے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ گویا یہ مضمون آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے **نعوذ بالله من ذالك** مخالف ہے۔ وہ حدیث ہمیں تین ایسے آدمیوں کا پتا بتاتی ہے جو ایک غار میں کسی کام کی غرض سے گئے۔ پیچھے زلزلے کے نتیجے میں ایک بہت بھاری چٹان لڑھک کر اس غار کے منہ پر آپڑی اور غار کا منہ بند ہو گیا اور ان کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی اور بالکل بے طاقت تھے کہ وہ اس پتھر کو سرکا سکیں۔ تب ان میں سے ایک نے یہ سوچا کہ میں نے اپنی زندگی میں نیکی کا وہ کونسا ایسا کام کیا ہے کہ جس کے حوالے سے میں دعا

مانگوں تو اللہ تعالیٰ کو رحم آجائے گا اور اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنی ایک ایسی نیکی ڈھونڈی اور پھر اس نیکی کے حوالے سے دعا کی تو وہ پتھر کچھ سرک گیا۔ پھر دوسرے شخص نے بھی اسی کی مثال پکڑی اور اپنی نیکیوں پر نظر ڈال کر، اپنی زندگی پر نظر ڈال کر ایک ایسی نیکی تلاش کی جس کے متعلق وہ سمجھتا تھا کہ خاص مقام رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی عرضداشت پیش کی اور وہ مقبول ہوئی اور وہ پتھر کچھ اور سرک گیا لیکن ابھی ان کے نکلنے کی راہ کافی نہیں تھی۔ پھر تیسرے کو بھی یہی خیال آیا اور اس نے بھی اپنی ایک نیکی تلاش کی اور بالآخر وہ پتھر مزید ہٹ گیا اور ان تینوں کے نجات کی راہ نکل آئی۔ یہ مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اپنی نیکیوں کے حوالے سے تعریف کرنا نہ صرف جائز بلکہ ایک اعلیٰ درجے کی گویا خوبی ہے لیکن جو لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں وہ اس حدیث کے مفہوم کو نہیں سمجھتے کیونکہ اگر اس حدیث کا یہ مفہوم ہوتا تو انبیاء کی دعاؤں میں ہمیں کہیں تو ایک جگہ ایسی دعائیں جس میں خدا کے کسی نبی نے اپنی نیکی کے حوالے سے دعا کی ہو۔ میں نے تو گہری نظر سے قرآن کریم کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے، احادیث کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے کہیں اشارۃً بھی کوئی ایسی دعا دکھائی نہیں دی جس میں کسی نبی نے بھی یہ عرض کیا ہو کہ اے خدا! میں یہ ہوں اور میری اس نیکی پر نگاہ ڈال اور میری خاطر یہ کام کر دے ۔کہیں کوئی ذکر نہیں۔ اپنے آپ کو بالکل تہی دامن کر دیا ہے۔ خالی ہاتھ دکھایا ہے ایسا کشکول ہے جس میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ روحانی لباس میں وہ لوگ اس طرح خدا کے حضور ظاہر ہوئے ہیں کہ تقویٰ کے لباس سے مزین ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس طرح پیش کر رہے تھے جیسے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس کوئی فقیر ہو اور فقیر بن کر اس کی راہ میں بیٹھے تھے اور فقیر بن کر دعائیں کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ دعا دیکھیں رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۵) اے میرے رب! لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ جو بھی خیرات تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا فقیر بنا بیٹھا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پس انبیاء کی دعاؤں پر غور کرنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے کبھی دعا کی قبولیت کی خاطر اپنی خوبی یا نیکی کا حوالہ نہیں دیا۔ پھر یہ حدیث اگر ان معنوں میں لی جائے جو میں نے بیان کئے ہیں تو اس تمام تاریخ انبیاء سے ٹکرا جائے گی جو درست نہیں ہے۔ اس حدیث کا اور معنی ہے۔

اس حدیث کو میں اس نظر سے دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ ان بندوں کی خوبی یا ان کی چالا کی نہیں بتا رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عظمت کا بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بتا رہے ہیں کہ ایسے تہی دامن لوگ جن کو ساری زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد وہ نیکی دکھائی دی جو عام معیار سے کوئی خاص نیکی بھی نہیں کسی معصوم عورت کی عزت نہ لوٹنا بھلا کونسی نیکی ہے اور فاقہ کشی کے وقت میں، ایسے وقت میں جب کہ انسان کا دل نرم ہو چکا ہوتا ہے اور نرم ہونے کے بعد بجائے کسی اجرت کی طلب کے ویسے ہی انسان جو کچھ گھر میں ہے وہ غریبوں کے لئے خرچ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے سخت تکلیف کے دور میں کسی کی عزت کا سودا نہ کرنا یہ کون سی نیکی ہے۔

پس آنحضرت ﷺ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایسے تہی دامن اور گنہگار لوگ جن کی ساری زندگی میں کوئی نیکی نہیں تھی اور ایک بدی سے بچنا ہی گویا ان کی نیکی تھی۔ جب اس کا حوالہ دیا گیا تو اللہ اتنا رحمان ہے اور اتنا رحیم اور اتنا بخشش کرنے والا ہے کہ اس نے کہا۔ ہاں میرے بندے! اگر یہ نیکی ہے تو یہ بھی قبول ہے، اگر یہ ہے تو یہ بھی مقبول ہے گویا وہ مضمون یہ ہے کہ خدا تو کھوٹے پیسوں سے بھی بعض دفعہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اتنا بخشش کرنے والا۔ اتنا التجاؤں کو قبول کرنے والا ہے کہ اس سے اگر تم ہمیشہ دعا کے تعلق سے اپنے محبت کے رشتے مضبوط نہ کرتے رہو تو تمہاری محرومی ہے۔ وہ تو ہر وقت قریب ہے۔ ہر وقت سننے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کو بعض لوگ غلط سمجھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی نیکیوں کے حوالے سے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں وہ پتھر تو ان کی زندگی میں ایک دفعہ گرا لیکن میں جانتا ہوں کہ ہماری زندگی میں مصیبتوں کے پتھر روز گرتے رہتے ہیں۔ کون انسان ہے جو اس تجربے سے نہیں گزرتا۔ کوئی دن ایسا نہیں آتا جو کسی نہ کسی پہلو سے تلخیاں لے کر نہیں آتا۔ کبھی اپنا غم، کبھی کسی دوست کا غم، کبھی رشتے دار کی تکلیف، کبھی دشمن کی طرف سے ڈراوے اور کئی قسم کے خوف کبھی عالمی خوف، کبھی علاقائی خوف، انسان کی ساری زندگی تو مصیبت کے پتھروں میں گری پڑی ہے اپنی کتنی نیکیاں آپ ڈھونڈ نکالیں گے کہ وہ پتھر سرکنے شروع کریں۔ ایک ہی علاج ہے اور وہ علاج وہ ہے جو انبیاء نے ہمیں سکھایا ہے کہ خدا کے حضور کامل عجز اور انکسار کے ساتھ حاضر ہوں۔ اپنی نیکیوں پر انحصار کر کے دعائیں نہ مانگو۔ خدا کے فضلوں پر انحصار کر کے دعائیں مانگو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہم تہی دامن ہیں۔ سب تعریف تیرے لئے ہے جو کچھ ہمیں اچھا دکھائی دیتا

ہے وہ بھی تیری وجہ سے ہے اور تو نے بنایا ہے تو اچھا ہے۔ جو کچھ ہم نے کمایا اس کمانے کی توفیق بھی تو نے ہی دی اور اس پہلو سے انسان جب اپنی ساری زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو اتنے مواقع دکھائی دیں گے کہ جب وہ ہلاک ہوسکتا تھا اور اپنی کمزوریوں اور بدیوں کی وجہ سے ہلاک ہوسکتا تھا۔ اگر خدا اس کی پردہ پوشی نہ کرتا تو ایسے مواقع بھی ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں کہ ایک دفعہ پردے کا چاک ہونا اس کی ہلاکت کا سامان پیدا کرسکتا تھا، کچھ بھی اس کا باقی نہ رہتا۔

پس جہاں یہ کیفیت ہو وہاں کوئی فَرِحٌ فَخُوْرٌ بے وقوف ہی ہوگا جو اپنی نیکی کے حوالے دے دے کر خدا سے مانگنے کا عادی بنے۔ کہاں سے اتنی نیکیاں لائے گا جب کہ بدیوں کا پلہ اتنا بھاری ہے اور کہاں سے ایسی نیکیاں لائے گا جس کی جزاء خدا نے نہیں دی کیونکہ خدا کا تو سارا زندگی کا تعلق ان باتوں کی جزاء دکھائی دیتا ہے جو ہم نے کبھی کی نہیں۔ یکطرفہ رحم کا سلوک ہے۔ یکطرفہ احسان کا سلوک ہے اور لامتناہی ہے۔ ہر ہر سانس خدا کے احسان کا ممنون ہے تو ایسی کیفیت میں حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کلیۃً ہتھیار ڈال دے۔ خالی ہاتھ اور نہتہ ہو جائے اور خدا کے حضور عجز اور انکسار سے دعائیں مانگے۔ پس یہ وہ مفہوم تھا جو میں کھولنا چاہتا تھا یہ مراد نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک کہ حدیث نبوی کے کسی مضمون کے کوئی مخالف بات سمجھا رہا تھا بلکہ حدیث نبوی کے مضمون کے عین مطابق بات سمجھا رہا تھا اور یہی میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ جب دعائیں کریں تو اس کا آغاز حمد سے ہونا چاہئے اور حمد وہ جو آپ کے دامن کو بالکل خالی کردے۔ جو کچھ ہے وہ خدا کے حضور پیش کردیں لیکن دنیا کے کاروبار میں ہمیں بالعموم اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض انسان غفلت میں بلکہ میں سمجھتا ہوں بہت بڑی تعداد ہے جو خدا کی تعریف بھی کررہے ہوتے ہیں تو ایسے برتن میں ڈالتے ہیں گویا چھلنی ہے نیچے ان کا اپنا برتن ہوتا ہے خدا کی تعریف چھلنی میں سے نکل نکل کر ان کے برتن کو بھرتی رہتی ہے اور خدا کی جو چھلنی ہے وہ خالی رہتی ہے۔ اس کے برعکس خدا کے بعض مومن بندے ایسے ہیں جن کی تعریف کی جائے تو یوں لگتا ہے کہ وہ تعریف چھلنی پر گری ہے اور اس کے نیچے خدا کی حمد کا برتن پڑا ہے جو تعریف ان کی ہو خواہ ان کا اپنا نفس کسی وقت کرے یا غیر اس کی تعریف کرے وہ ان کے دل کی چھلنی سے نکل کر خدا کے دائمی برتن کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ تعریف کا وہ تعلق ہے جسے سمجھنا چاہئے۔ اگر ایک انسان صحیح معنوں میں خدا تعالیٰ کا

عرفان حاصل کر چکا ہو۔ (عرفان تو کوئی انسان صحیح معنوں میں مکمل طور پر کر ہی نہیں سکتا) میری مراد یہ ہے کہ عرفان کے حصول کا نکتہ سمجھ جائے تو وہ ہمیشہ محسوس کرے گا کہ جب وہ کسی کی تعریف کرے یا جب کوئی اس کی تعریف کرے تو وہ آخری مقام نہیں ہے بلکہ اس سے پرے ایک مقام ہے اور جو بھی تعریف کا مستحق نظر آتا ہے اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جس کا وہ ایک معمولی حصہ ہے۔ ویسا ہی ہے جیسا کہ غالبؔ نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے

؎ قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا (دیوان غالب صفحہ:۵۹)

کہ اگر تمہیں قطرے میں سمندر دکھائی نہیں دیتا یعنی کسی قابل تعریف بات میں تمہیں خدا تعالیٰ کی قابل حمد ذات دکھائی نہیں دے رہی اور یہ پتا نہیں لگتا کہ یہ قطرہ خدا کے سمندر کا ایک حصہ ہے تو یہ پھر دیدۂ بینا نہیں ہے۔ یہ تو بچوں کا ایک کھیل ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ غالب نے انہی معنوں میں یہ شعر کہا ہوگا لیکن مجھے تو صرف انہی معنوں میں یہ شعر اچھا لگتا ہے اور انہی معنوں میں تعریف کے لائق بھی ہے کیونکہ یہ شعر خدا کی تعریف سے منسلک ہو جاتا ہے۔

پس یہ وہ معنی ہیں جس کو ملحوظ رکھتے ہوئے حمد کرنی چاہئے اور خوبصورت چیزوں پر نگاہ کرنی چاہئے اور خوبصورت چیزوں سے محبت کرنی چاہئے یعنی وہ محبت ان تک ٹھہر نہ جائے بلکہ ان کے وجود سے پار نکل جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم ہے

؎ کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

کہ دیکھو عالم میں کیسا خوبصورت نور پھیلا پڑا ہے۔ جیسے چاندنی راتوں میں ہمیں مشرق میں تجربہ ہے، ویسی چاندنی راتیں مغرب میں نہیں دیکھی جاتیں۔ وہ منظر ہی اور ہوتا ہے جو مشرق میں چاند ابھرتا ہے یا کسی ٹھنڈے دن خوبصورت دھوپ مغرب میں نکلتی ہے تو اس وقت دن کی روشنی کا جو لطف آتا ہے وہ مشرق میں کم دکھائی دیتا ہے۔ کسی کو خدا نے راتیں خوبصورت دی ہیں کسی کو دن خوبصورت دیدیئے ہیں۔ اگر نظر وہیں ٹھہر جائے اور ایک روزمرہ کے انگریز کی طرح آپ یہ کہیں What a beautiful morning اور وہیں بات کھڑی ہو جائے تو یہ غفلت ہے لیکن

اگر آپ اس دل سے پیچھے چلے جائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ سے اس نور کا لطف اٹھا رہے ہوں تو بے اختیار دل سے یہی کلام جاری ہوگا۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا

تمام نوروں کا جو سرچشمہ ہے اس کے نور کا ایک معمولی حصہ اس خوبصورت دن یا اس حسین رات کی شکل میں ظاہر ہوا ہے:

بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

تمام جہان، ساری کائنات یوں لگتا ہے ایک شیشہ بن گئی ہے جس میں ہمیں خدا کا حسن دکھائی دینے لگا ہے پس حمد کی نفی اور حمد کا اثبات یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود رہتی ہیں۔ غیر اللہ میں حمد ہوتی ہے کیونکہ اسی نے پیدا کی ہے لیکن اگر اس کی پیدا کردہ چیزوں تک حمد ٹھہر جائے تو وہ غفلت کی زندگی ہے جو بعض دفعہ شرک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایسی غفلت کی زندگی ہے جو بعض دفعہ نہیں بسا اوقات شرک میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر خالق کے حسن کی طرف نگاہ آگے چل پڑے اور انسانی محبتوں کا جلوس آگے قدم بڑھائے اور خدا کی طرف حرکت کرنے لگے تو پھر یہ ایک عارفانہ زندگی ہے۔

پس سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت جب آپ ان راہوں میں چلیں تو میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں انبیاء کی راہوں کی تلاش کریں اور انبیاء کی دعائیں خود بھی سیکھیں اور ان پر غور کریں اور اپنے بچوں کو بھی سکھائیں۔ پھر اسی طرح غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی آیت ہے۔ جن لوگوں کی راہ آپ نہیں دیکھنا چاہتے ان کی تاریخ قرآن کریم میں لکھی ہوئی ہے۔ کن کن راہوں سے وہ گزرتے تھے۔ بظاہر کتنے عظیم الشان فتح یاب دکھائی دیتے تھے۔ جن کے بڑے بڑے قلعے تھے اور بڑی بڑی حکومتیں اور ان کے بڑے بڑے دبدبے تھے جن سے انسان دور دور تک لرزے کھاتا تھا اور انہوں نے بڑی جنتیں بنا رکھی تھیں لیکن وہ ساری رفتہ رفتہ مٹ گئیں۔ تہہ خاک ہوگئیں اور سوائے تاریخ کے ان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان کی قبروں سے پھر کچھ اور ناداں قومیں اسی طرح اٹھیں اور پھر انہوں نے دنیا کی بڑی بڑی عظمتیں حاصل کیں مگر خدا سے تعلق نہیں جوڑا پھر وہ بھی صفحہ ہستی سے غائب ہوئے لیکن تاریخ میں نیکیوں کا ذکر پیار اور محبت اور دعاؤں کے ساتھ جاری رہا اور آخر تک

ان پر سلام بھیجے گئے لیکن یہ جو پہلی قومیں تھیں جن کی بڑائی اور عظمت وقتی طور پر تھی اور خدا سے تعلق کے نتیجے میں نہیں بلکہ دنیا سے محبت کے نتیجے میں تھی ان کے مٹنے کے ساتھ ان کی حمد بھی مٹ گئی اور ان کی برائیاں باقی رہ گئیں اور مورخین نے پھر ان پر لعنتیں ڈالنی شروع کیں کہ وہ ایسے ظالم، ایسے سفاک تھے۔ ان کی عظمتوں میں ہمیشہ کوئی بدی دکھائی دے گی۔

پس خدا تعالیٰ نے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی راہ بھی خوب کھول دی ہے اور الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کی راہ بھی خوب کھول دی ہے قرآن کریم میں اس کی وضاحت سے ذکر موجود ہے۔ پس آج کل رمضان میں خصوصیت کے ساتھ اپنے گھروں میں اس مضمون کو جاری کرنا چاہئے اور اس دلچسپ مضمون کے ذریعے اپنے بچوں کی علمی اور اخلاقی اور عملی تربیت کرنی چاہئے۔ قرآن کریم ایک موقعہ پر فرماتا ہے۔

وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ۝۲۸ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ۝۲۹ لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ‌ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ۝۳۰ وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ۝۳۱ (الفرقان: ۲۸ تا ۳۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے گا جب ظالم اپنے انگلیوں کے پورے تکلیف اور بے چین اور بے قراری اور حسرت کے ساتھ چبائے گا۔ یقول يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا کہ اے کاش میں اپنے رسول کے ساتھ راہ اختیار کرتا۔ اس راہ پر پڑتا جس راہ پر رسول چلا تھا اس لئے یہ جو ذکر میں کر رہا ہوں یہ صرف تاریخی ذکر نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ جس راہ پر چلے ہیں وہ راہ آج ہمارے لئے محفوظ کر دی گئی ہے اور اسی کو ہم صِرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کہتے ہیں۔ پس صرف دعاؤں کی حد تک نہیں بلکہ روزمرہ کی عملی زندگی میں آج بھی ہمیں اس رسول کے ساتھ سفر اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو قرآن کریم فرماتا ہے وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کاٹے گا اور کہے گا

کاش مجھے رسول کی معیت نصیب ہوتی اور میں اس راہ پر چلتا جس راہ پر رسول نے مجھے ڈال دیا تھا۔ پھر فرمایا وہ کہے گا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۔صرف اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مضمون نہیں ہے بلکہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا مضمون بھی بیان ہوا ہے وہ کہے گا وائے حسرت اے کاش ! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا اوراس کے طریق اختیار نہ کرتا۔ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ اس نے مجھے ذکر ملنے کے بعد پھراس ذکر سے گمراہ کردیا وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا اورشیطان کی تو یہ فطرت ہے کہ وہ موقعہ پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے اورگمراہ کرنے کے بعد پھرآپ غائب ہوجاتاہے اور انسان کومصیبتوں میں مبتلا چھوڑکراس سے دغابازی کر جاتا ہے۔وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا اور رسول خدا کے حضور یہ شکایت عرض کرے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو مَهْجُوْرًا کی طرح چھوڑ دیا۔

پس ذکر سے مراد قرآن کریم ہے گویا یہ مضمون ہمیں صرف ماضی میں نہیں بلکہ حال کی دنیا اور ہمیشہ مستقبل کی دنیا میں لے جاتا ہے۔آنے والی نسلوں کو مستقبل کی دنیا میں لے جاتا ہےاور موجودہ نسلوں کو حال کی دنیا میں اور یہ بتاتا ہے کہ وہ راہیں ماضی سے تعلق نہیں رکھتیں جن کو تم اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ کہتے ہواور وہ راہیں بھی صرف ماضی سے تعلق نہیں رکھتیں جن کو تم مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی راہیں کہتے ہو بلکہ قرآن کریم اور سنت محمد مصطفی ﷺ کی شکل میں آج تمہارے سامنے پڑی ہیں پس تم کیسی دعائیں مانگتے ہو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے خدا! ہمیں صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دکھا اوران راہوں پر چلا جوان لوگوں کی راہیں تھیں جن پر تو نے انعام فرمایا اوروہ راہیں تمہارے سامنے کشادہ اور کھلی پڑی ہیں اورتم ایک قدم آگے نہیں بڑھاتے اور پھر یہ دعا مانگتے ہو کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ جولوگ ہیں ان کی اورضالین کے گروہ کی راہوں سے ہمیں بچا۔ان راہوں پر ہم قدم نہ ماریں جن پر مغضوب چلتے رہےاور جن پر گمراہ لوگ چلتے رہےاور جب ان دوراہوں میں سے ایک اختیار کرنے کا وقت آتا ہےتو روزمرہ کی زندگی میں تم الْمَغْضُوْبِ اور الضَّآلِّيْنَ کی راہ میں چل پڑتے ہولیکن قیامت کے دن تم حسرت سے یادکرو گےاورکہو گے،اے کاش !ایسا نہ ہوتا۔کاش ! ہم اس سے پہلے مر چکے ہوتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ کو چھوڑ کر ایک

ایسے بد بخت کی راہ اختیار کر لیتے جس نے ہمیں ذکر سے یعنی قرآن کریم سے پرے ہٹا دیا پس ہر ایسا دوست جو خدا تعالیٰ کی راہ میں قدم بڑھانے سے مانع ہو۔ ہر ایسا تعلق جس کے نتیجے میں انسان رفتہ رفتہ نیکیوں سے محروم ہوتا چلا جائے اور پیچھے ہٹتا چلا جائے اور بدیوں کی طرف بڑھنا شروع کر دے تو وہی خلیل ہے، وہی الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی راہ دکھانے والا ہے، وہی ضَآلِّيْنَ کی راہ دکھانے والا ہے۔ پس ایسے تعلقات سے پرہیز کریں اور صحبت صالحین اختیار کریں یعنی ایسے لوگوں سے تعلق بڑھائیں جن کے نتیجے میں آپ کو قرآن کے ساتھ محبت بڑھتی ہو اور رسول کے ساتھ محبت بڑھتی ہو۔ اس ذکر کو اپنے گھروں میں عام کریں۔ آج کل بہت ہی اچھا موقعہ ہے۔ نمازوں کی طرف توجہ ہے۔ بچے بھی اٹھتے ہیں۔ اگر وہ روزے نہیں رکھ سکتے تو سحری کھانے کے لئے اٹھ جاتے ہیں اگر ایک روزہ نہیں رکھ سکتے تو بعض بچے ایک دن میں دو دو تین تین روزے رکھتے ہیں۔ ایک بچے سے میں نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ کتنے روزے رکھے تو اس نے کہا: آج میں نے پانچ روزے رکھے تو بڑوں سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن روزے کا احترام ہے۔ مجھے یہ جواب سن کر بڑی خوشی ہوئی اس کے دل میں روزے کا پیار ہے۔ وہ اسے قابل فخر سمجھتا ہے اس لئے اس نے دن میں پانچ دفعہ کھانا کھایا تو اس نے کہا میں نے پانچ روزے رکھے ہیں۔ ان پانچ روزے رکھنے والوں کو پانچ نمازوں کی بھی عادت ڈالیں۔ ان کو بتائیں کہ یہ نمازیں تو تم پڑھ سکتے ہو اور نماز کے طریق سمجھائیں حمد کی جو باتیں آپ سنتے ہیں وہ آگے ان کو ذہن نشین کروائیں اور گھر میں پیار کی مجلسیں لگائیں عورتوں بچوں کی مجالس اور ان کو سمجھائیں کہ اس طرح عبادت کی جاتی ہے۔ یہ یہ مقاصد ہیں۔ پھر جن کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ روزہ رکھ سکیں ان کو ساتھ ساتھ یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ روزہ محض صبح کچھ کھانے سے نہیں رکھا جاتا کیونکہ محض کھانے سے تو جسم کو غذا ملتی ہے اور یہ مہینہ روح کی غذا کا ہے۔ اس لئے تم صبح نفلی عبادت بھی کیا کرو پس یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ جسم کی غذا کو خدا نے کم کیا ہے اور روح کی غذا کا ایک تعلق روح سے ہے جس میں اس کی غذا کو بڑھایا گیا ہے۔ پس اگر تم روح کی غذا بڑھاؤ گے نہیں اور محض جسم کی غذا گھٹاتے چلے جاؤ گے تو یہ فاقہ کشی ہے، روزہ نہیں۔

اس مضمون کو آرام سے نرم لفظوں میں بچوں کی زبان میں ان کو سمجھائیں اور ان کو نوافل پڑھوانا شروع کریں۔ اس چھوٹی عمر میں اگر نفلوں کی عادت پڑ جائے اور احساس ہو کہ میں نے وقت

کے اوپر اٹھنا ہے اور نفل پڑھنے ہیں تو وہ عادت بعض دفعہ ہمیشہ کے لئے دل پر نقش ہو جاتی ہے اور انسانی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے، میں نے جو تہجد پڑھنے والے اکثر لوگ دیکھے ہیں وہ وہی جن کو بچپن میں عادت پڑی ہے یا جن کے گھروں میں بعض بزرگ تہجد پڑھا کرتے تھے اور بچپن میں انہوں نے دیکھا۔ دل پر اس کی عظمت بیٹھ گئی۔ خواہ وقتی طور پر وہ نہ بھی پڑھ سکے ہوں بعد میں ان کو عادت پڑ گئی مگر جو گھر ذکر سے خالی ہوں وہ یٰلَیۡتَنِیۡ والی بات ہے کہ کاش ان کی دوستی ہمیں نصیب نہ ہوتی جہاں تہجد تو درکنار نمازوں کا بھی اہتمام نہ ہو وہ زندگی سے خالی گھر ہیں وہاں جو بچے پلتے ہیں ان کی حالت سخت قابل رحم ہے لیکن بہت سے ایسے گھر ہیں جو رمضان کے مہینے میں جاگ اٹھتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں ان میں زندگی کی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ان گھروں کو خود بھی عبادت پر ہمیشہ قائم رہنے کے عزم کرنے چاہئیں اور رمضان مبارک میں بچوں کو عبادت کی عادت ڈالنی چاہئے۔ بعض دفعہ جو عادت بچے اختیار کرتے ہیں اس پر وہ قائم رہتے ہیں اور بڑے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ پھر بچے ان کو یاد کراتے ہیں اور کہتے ہیں: بھئی! آپ تو ہمیں کل کہہ رہے تھے کہ نماز پڑھا کرو اور تہجد پڑھا کرو۔ آپ تو اب مزے سے رات کو دیر تک باتیں کرتے ہیں اور صبح دیر سے اٹھتے ہیں تو یہ کیا بات ہوئی؟ بچہ بعض دفعہ بے تکلفی سے اپنے ماں باپ کو ایسی باتیں سنا دیتا ہے کہ اگر کوئی باہر سے سنائے تو اس سے لڑائی ہو جائے۔ تو یہ دن ہیں ان سے زیادہ استفادہ کریں۔ اللہ ہم سب کو ذکر کی توفیق عطا فرمائے اور سب سے زیادہ لذت ہمیں عبادت کے ذریعے خدا سے تعلق میں پیدا ہو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کوئی اور لذت ایسی نہیں جیسی خدا کی محبت میں ملتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین